سُوْرَةُ الْكٰفِرُوْن

یہ مکی سورت ہے اور ہجرت سے پہلے نازل ہوئی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوتِ اسلام پیش کرتے ہوئے کچھ عرصہ بیت گیا اور کفار نے پوری شدت اور قوت سے اس دعوت کو دبانے اور مٹانے کی پوری کوشش کی، اسلام قبول کرنے والوں کو ڈرایا دھمکایا، مارا پیٹا، کبھی انہیں شعب ابی طالب میں کھلے آسمان تلے محصور و مجبور بنا کر رکھ دیا اور کبھی ظلم وستم کے ایسے پہاڑ توڑے کہ انہیں حبشہ کی طرف ہجرت کرنا پڑی مگر انہوں نے نہ اسلام کو چھوڑا اور نہ حق بات سے منہ موڑا، تو قریش مکہ نے اس دعوت کو روکنے اور اسے کمزور کرنے کا نیا طریقہ اختیار کیا۔

''عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ قریش کے لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہم آپ کو اتنا مال دیے دیتے ہیں کہ آپ مکہ کے سب سے زیادہ دولت مند آدمی بن جائیں، آپ جس عورت کو پسند کریں اس سے آپ کی شادی کیے دیتے ہیں، ہم آپ کے پیچھے چلنے کے لیے تیار ہیں، آپ بس ہماری یہ بات مان لیں کہ ہمارے معبودوں کی برائی کرنے سے باز رہیں، اگر یہ آپ کو منظور نہیں تو ہم ایک اور تجویز آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں جس میں آپ کی بھی بھلائی ہے اور ہماری بھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا وہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا ایک سال آپ ہمارے معبودوں لات اور عزی کی عبادت کریں اور ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں، آپ ﷺ نے فرمایا ''اچھا، ٹھہرو میں دیکھتا ہوں کہ میرے رب کی طرف سے کیا حکم آتا ہے۔'' اس پر وحی نازل ہوئی، **قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْكٰفِرُوْنَ**...... اور یہ کہ **قُلْ اَفَغَیْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْنِّیْٓ اَعْبُدُ اَیُّھَا الْجٰهِلُوْنَ** (الزمر: ٦٤) ''اے نادانو! کیا تم مجھ سے یہ کہتے ہو کہ اللہ کے سوا میں کسی اور کی عبادت کروں۔'' (ابن جریر بحوالہ تفہیم)

آیات:٦ # سُوْرَةُ الْكٰفِرُوْن رکوع:١

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ(١) لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ(٢) وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ(٣) وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ(٤) وَلَآ اَنْتُمْ عَابِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ(٥) لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ(٦)﴾

(اے نبیؐ) آپ کہہ دیجیے کہ اے کافرو! میں عبادت نہیں کرتا ان کی جن کی تم عبادت کرتے ہو اور نہ تم اس کی عبادت کرتے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں اور میں (کبھی اور قطعاً) ان کی عبادت کرنے والا نہیں جن کی تم بندگی کرتے ہو اور تم (بھی کبھی) عبادت کرنے والے نہیں جس کی میں بندگی کرتا ہوں، تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین!

﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ، لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ﴾

(اے نبیﷺ) آپ کہہ دیجیے کہ اے کافرو! میں عبادت نہیں کرتا ان کی جن کی تم عبادت کرتے ہو۔

قُلْ کہیے (قَالَ، يَقُوْلُ، قَوْلًا) کہنا اس سے فعل امر واحد مذکر حاضر 'قُلْ'، يٰٓاَيُّهَا اے یا، حرف ندا، ایُّ، منادی، "ھا" زائد ہے اور تنبیہ کا مفہوم پیدا ہوتا ہے، الْكٰفِرُوْنَ اس کا مفرد، اَلْكَافِرُ ہے، کافر، انکار کرنے والا، لَآ نہیں، نافیہ، اَعْبُدُ میں عبادت کرتا ہوں مضارع واحد متکلم (عَبَدَ، يَعْبُدُ، عِبَادَةً) عبادت کرنا، بندگی کرنا، مَا تَعْبُدُوْنَ جن کی تم بندگی کرتے ہو، فعل مضارع جمع مذکر حاضر یعنی

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کفار سے جو آپ کو اپنے ہاتھوں سے تراشے بتوں کی بندگی کی دعوت دیتے ہیں برملا کہہ دیجیے کہ میں ان بے جان مورتیوں کی بندگی نہیں کرتا جن کی تم بندگی کرتے ہو، میں تو رب واحد کا عبادت گزار ہوں جو زندہ و پاکیزہ ہے، جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، اس کائنات اور اس کی ہر چیز کو پیدا کرنے والا اور روزی رساں ہے۔

﴿وَلَآ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَآ اَعۡبُدُ﴾

اور نہ تم اس کی عبادت کرتے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔

وَ اور، عاطفہ (سلسلہ کلام جاری رکھنے کے لیے) لَآ نہیں، نافیہ، اَنۡتُمۡ تم، ضمیر جمع مذکر حاضر، عٰبِدُوۡنَ بندگی کرنے والے ہو (عَبَدَ، یَعۡبُدُ) سے اسم فاعل جمع مذکر، مَآ جس کی، اسم موصول، اَعۡبُدُ میں بندگی کرتا ہوں مضارع واحد متکلم۔

یعنی اے مشرکین مکہ! تم اپنے کفر اور شرک میں اتنے پختہ اور مضبوط ہو چکے ہو کہ تمہیں اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہٗ کی بندگی سے عار اور ضد ہے، میں تو اس کا بندہ ہوں اور اسی کی بندگی میرا اشعار ہے، جبکہ بے جان پتھروں کے آگے جھکنا تمہارا مزاج ہے۔

﴿وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدۡتُّمۡ، وَلَآ اَنۡتُمۡ عَابِدُوۡنَ مَآ اَعۡبُدُ﴾

اور میں (کبھی اور قطعاً) عبادت کرنے والا نہیں جن کی تم بندگی کرتے ہو اور تم (بھی کبھی) عبادت کرنے والے نہیں جس کی میں بندگی کرتا ہوں۔

وَ اور عاطفہ، اَنَا میں ضمیر واحد متکلم، عَابِدٌ عبادت کرنے والا، اسم فاعل واحد مذکر، مَّا جن کی اسم موصول، عَبَدۡتُّمۡ، تم عبادت کرتے ہو، ماضی جمع مذکر حاضر، ان تکراری جملوں سے تاکیدی معنی پیدا ہوتے ہیں اور اس سے کلام میں زور پیدا ہوتا ہے اور یہ عربی زبان کا وصف ہے، کفار کو فیصلہ کن بات سنائی جا رہی ہے کہ وہ کان کھول کر سن لیں کہ میں کبھی بھی ان کے بتوں کی بندگی نہیں کروں گا اور وہ بھی ایسے ضدی اور ہٹ دھرم ہیں کہ میرے رب واحد کی بندگی کے لیے تیار نہ ہوں گے۔

﴿لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ﴾

(کہہ دیجیے) تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین!

﴿لَكُمْ (لَ. كُمْ) لیے، تمہارے۔ لام حرف جر کُمْ، ضمیر جمع مذکر حاضر، دِيْنُكُمْ (دِيْنُ. كُمْ) دین، تمہارا، وَلِيَ (وَ. لِيَ) اور، میرے لیے، دِيْنِ میرا دین، یعنی تمہارے لیے شرک اور کفر کا راستہ ہے اور میرے لیے ایمان اور اسلام کا راستہ ہے۔ یہ اصل میں دِيْنِي تھا جملہ ختم کرنے کے لیے اختصار کر کے ی ختم کر دی صرف زیر باقی رہ گئی جو "ی" کی قائم مقام ہے۔

جناب عبدالحی صاحب لکھتے ہیں:

"سورۃ کی پہلی آیت میں اسلام کے مخالفوں کو کافر کہہ کر پکارا گیا ہے، ابتدائے دعوت کے مرحلے میں یہ لفظ استعمال نہیں ہوا ہے، کافر کا مطلب ہے انکار کرنے والا، نہ ماننے والا، آپ جب تک کسی کے سامنے ایک بات پوری طرح کھول کر نہ رکھیں، اسے سمجھانے کی پوری کوشش نہ کریں، دلائل سے اپنی بات کو مضبوط نہ کریں اور جب تک یہ اندازہ نہ ہو جائے کہ آپ جسے سمجھا رہے ہیں وہ یا تو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتا یا سمجھنے کے بعد بھی ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتا، اس وقت تک آپ اسے "انکار کرنے والا" بات نہ ماننے والا، یعنی کافر نہیں کہہ سکتے۔

چنانچہ دعوت کے ابتدائی دور میں اسلام نہ لانے والوں کے لیے یہ لفظ استعمال نہیں ہوا ہے لیکن اب اس آخری مرحلے میں اسلام کے مخالفوں کو "يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ" اے کافرو! کہہ کر پکارا گیا ہے، یہ اس لیے کہ داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید، رسالت، آخرت اور دوسری تمام باتوں کو اچھی طرح کھول کھول کر سمجھایا، ہر بات کے لیے مختلف انداز سے بے شمار دلائل پیش کیے، اعتراضات کو حل کیا، الجھنوں کو صاف کیا، دعوتِ اسلامی سے متاثر ہونے والی زندگیوں کا عملی نمونہ سامنے رکھا، غرض یہ کہ کوئی پہلو ایسا نہ چھوڑا کہ اگر کوئی انسان بات سمجھنا چاہے، تو وہ سمجھ نہ سکے لیکن اس کے بعد جو لوگ اپنی ضد پر اڑے رہے اور اپنے مقام سے چمٹے رہے، ان کے بارے میں اچھی طرح اندازہ ہو گیا کہ اب یہ جو کچھ کر رہے ہیں، وہ ہٹ دھرمی کے سوا اور کچھ نہیں، اُن کے مفادات، ان کی خواہشات اور ان کی خاندانی روایات ہی ان

کے پاؤں کی بیڑیاں بنی ہوئی ہیں، چنانچہ اس موقع پر انہیں ''اے کافرو!'' کہہ کر پکارا گیا۔

سورہ مبارکہ کا پہلا لفظ ''قُلْ'' ہے یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہہ دیجیے، اس کا مطلب یہ ہے کہ آگے جو بات کہی جا رہی ہے وہ بھی مالک کائنات کا ایک فرمان ہے، کچھ ہماری اپنی بات نہیں ہے۔

جو بات کہی گئی ہے، وہ نہایت اہم ہے، فرمایا کہ آپ کہہ دیجیے کہ میں ان (پتھر سے تراشے ہوئے) معبودوں کی پرستش کرنے والا نہیں ہوں جن کو تم پوجتے ہو اور نہ تم اب اس معبود برحق کی طرف پلٹنے والے ہو جس کی عبادت میں کر رہا ہوں، اس کے بعد اسی بات کو ایک دوسرے انداز میں اس طرح دہرایا گیا کہ جن جن معبودوں کی تم نے پرستش کی ہے، میں ان کی عبادت کرنے والا نہیں ہوں اور نہ تم اس معبود کی عبادت کرو گے جس کے آگے میں نے اپنا سَر جھکایا ہے۔

یہ بڑی اہم بات ہے، اس میں بڑے زور کے ساتھ ایک تو اس بات کا اعلان کر دیا گیا ہے کہ اب اس بات کی کوئی گنجائش باقی نہیں ہے کہ میں اپنے راستے کو چھوڑ کر تمہاری روش پر آ جاؤں، تمہیں اس طرف سے بالکل مایوس ہو جانا چاہیے اور کوئی ایسی امید دل میں نہ رکھنی چاہیے کہ اب میں کسی طرح کے خوف یا لالچ یا کسی اور وجہ سے اپنے اختیار کیے ہوئے راستے کو چھوڑ سکتا ہوں اور اتنا ہی نہیں بلکہ آئندہ بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تمہیں اس طرف سے مایوس ہو جانا چاہیے کہ میں اس طرح کی کسی مصالحت کے لیے تیار ہو جاؤں، یا اپنے دین کو چھوڑ کر تمہارے دین کو اختیار کر لوں، میں نے جو کچھ اختیار کیا ہے، علم اور عقل کی پوری روشنی میں سوچ سمجھ کر اختیار کیا ہے اور مجھے پورا یقین ہے کہ میرا ہی راستہ حق ہے، نجات کا دارومدار صرف اسی راستے پر ہے، اور چونکہ مجھ پر یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ اصل معاملہ اس زندگی کا ہے جو اس موجودہ زندگی کے بعد شروع ہونے والی ہے، اس لیے موجودہ زندگی کی کوئی تکلیف یا کوئی راحت مجھے یہ سوچنے پر مجبور نہیں کر سکتی کہ میں اپنی روش کے بارے میں کوئی اور فیصلہ کروں، میں نے جو کچھ فیصلہ کیا ہے، میں اسی پر قائم رہوں گا اور جہاں تک تمہارا معاملہ ہے تو تمہارے بارے میں مجھے یہ اندازہ ہو رہا ہے کہ اب تم بھی اپنی روش سے باز آنے والے نہیں ہو، اس لیے اب میری طرف سے آخری اعلان یہ ہے کہ تمہاری یہ روش تمھیں مبارک ہو، تمہارا دین تمہارے لیے اور میرا دین میرے لیے۔'' (آسان تفسیر)

آیاتِ مبارکہ کی حکمت وبصیرت:

۱) یہ سورۃ مبارکہ مسلمانوں کے موجودہ حالات میں نصیحت وموعظت کا عظیم پیغام رکھتی ہے کہ انہیں سخت سے سخت حالات اور کڑی سے کڑی آزمائش میں بھی حق وصداقت کے مؤقف پر جمے رہنا چاہیے، چاہے معاملہ ڈرانے اور دھمکانے کا ہو یا مالی امداد اور منفعت کا ہو، جس طرح کفر کے مقابلے میں حق پر ڈٹے رہنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ کی مدد پہنچی اور آخر کار فتح مکہ پر اسلام کا پرچم بلند ہوا اور پھر یہ بلند سے بلند تر ہوتا ہی چلا گیا اور کتنے ہی چھوٹے چھوٹے لشکر بڑے بڑے لشکروں پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے غالب ہوتے رہے جس کی قرآن یوں شہادت دیتا ہے: كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ (البقرہ:۲۴۹)

''بارہا ایسا ہوا ہے کہ ایک قلیل گروہ اللہ کے حکم سے ایک بڑے گروہ پر غالب آ گیا ہے۔''

روم اور فارس کی سلطنتیں اپنے وقت میں بڑا کروفر اور شان وشوکت رکھتی تھیں مگر مسلمان مجاہدوں کے سامنے وہ ٹھہر نہ سکیں، یقیناً اسی طرح آج بھی اللہ تعالیٰ کی مدد مسلمانوں کو پہنچ کر رہے گی، شرط ایمان کی پختگی اور عمل کی پاکیزگی ہے۔

۲) مگر جب سے مسلمانوں نے قرآن کی بلند تعلیمات سے منہ موڑا ہے بزدلی اور مداہنت ان میں در آئی ہے، ایمان واتحاد کی جگہ نفاق اور افتراق نے راہ پالی ہے، دشمنوں نے اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔

۳) خاص طور پر عالم اسلام کے بزدل اور منافق حکمران یورپ کے ظالم سربراہوں کے سامنے دست بستہ کھڑے ہو جاتے ہیں، ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کا دم بھرتے ہیں، ان کے اشاروں پر اپنے تعلیمی، اخلاقی، معاشی اور معاشرتی ڈھانچے بدلتے رہتے ہیں۔ کبھی اسلامی سوشلزم کا نعرہ لگاتے ہیں اور کبھی جدید اسلام لانے کا پیغام سناتے ہیں، یہ ساری باتیں وہ مغربی آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے کرتے ہیں۔

۴) یاد رکھیے اسلام وہی ہے جو خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا، کتاب ہدایت قرآن مجید ہے اور اس کے ساتھ سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے لیے اسوہ حسنہ ہے۔ یہ تعلیمات کھری، اٹل اور زندہ وتابندہ ہیں اور کسی کو بھی اس میں تبدیلی کا کوئی اختیار نہیں ہے۔

.................o.................